سائباں

اُمِّ مریم



سائبان

اُم مریم

قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

''کس سے جھگڑ رہی تھیں؟'' اماں نے اندر آتے ہوئے سوال کیا تو وہ سرخ چہرے کے ساتھ سیل فون پٹخ رہی تھی۔ اس سوال پر بے حد ناراضی سے انہیں دیکھا یقیناً وہ اس کی تیز اور بلند آواز سن کر ہی وہاں آئی تھیں۔

''آپ کو یہی کیوں لگتا ہے کہ میں جھگڑ رہی ہوں' کوئی اور بھی تو مجھ سے جھگڑ سکتا ہے۔''

''چلو ایسا ہی سہی بیٹی! میں نے تمہاری ہی آواز سنی تھی۔'' اماں کے لہجے میں بے حد نرمی تھی۔

''ہے اک پبلشر الو کا پٹھا...... خبیث۔'' وہ پھر سے شروع ہوئی ہی تھی کہ اماں نے فوراً ٹوکا۔

''بُری بات بیٹا! گالیاں نہیں دیتے۔'' مگر وہ کہاں سن رہی تھی ان کی نصیحت۔

''اگر وہ میرے سامنے ہو تو میں اس کا سر پھاڑ دوں' منحوس آدمی...... جھوٹا...... فراڈیا......''

''زارا! بہت غلط بات ہے بیٹے۔'' اماں نے اس کے غصے پر بند باندھنا چاہا۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اماں نے جگ سے پانی کا گلاس بھر کے اسے تھمایا۔

''ہوا کیا تھا؟'' اماں نے سب سے اہم سوال کیا۔ اس نے ایک گھونٹ بھر کے سر کو زور سے جھٹکا۔

''پیسے نہیں دے رہا مجھے۔ اس نے دیگر کئی رائٹرز کے ساتھ بھی ایسا کیا ہے مگر میں...... میں نہیں بخشنے والی اسے۔''

''اچھا دفع کرو' آؤ کھانا کھالو۔ تمہاری پسند کے پائے پکائے ہیں اور میٹھے میں ملتانی حلوہ۔ آجاؤ شاباش۔'' اماں نے دھیان بٹانا چاہا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہیں۔

''اظہر کا فون آیا تھا۔''

''کیوں؟'' اس کا منہ کی طرف نوالہ لے جاتا ہاتھ وہیں رک گیا۔ پیشانی شکنوں سے بھر گئی۔

''بتا رہا تھا کہ ولادت ہونے والی ہے تو......''

''پیسے مانگ رہا تھا؟'' زارا کی بھویں تن گئیں۔ اماں کے مجرمانہ انداز میں نظریں چرانے پر اس کا پارا مزید چڑھا۔

''سن لیں اماں! اگر اب آپ نے ایک دھیلا بھی اسے دیا نا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ یہاں میں اپنی جان مار مار کر لہو جلا کر کام کر رہی ہوں' اس کو اور آپ کو احساس تک نہیں ہے۔'' وہ یک دم پھٹ پڑی۔ اس نے نوالہ واپس پلیٹ میں پٹخ دیا تھا۔ اماں خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔ لگتا ہی نہ تھا یہ خوب صورت' زندگی کے حسین رنگوں سے کہانیاں تخلیق کرنے والی زارا ہے جس کی تحریروں کی اک دنیا دیوانی ہے۔

''تم پریشان نہ ہو زارا! میں اظہر کو منع کر چکی ہوں۔'' اماں کے تسلی آمیز انداز پر اس کے چہرے کا تناؤ

قدرے کم ہوا مگر اماں کی خاموشی بڑھ گئی تھی۔

❀......☆......❀

افق کے کناروں سے روشنی سبک روی سے طلوع ہوئی تو آنگن کی دیواروں سے لپٹی تاریکی نے ہڑبڑا کر اپنا آنچل سمیٹا اور اجالے کی چادر میں چھپ گئی۔ اوس میں بھیگی ہوا کی نرم سانسوں نے پتوں کو چھوا تو ٹہنیوں پر محوخواب ننھی چڑیوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے سردی محسوس کرکے چادر کو اپنے اوپر کھینچنے کو ذرا آنکھیں کھولیں اور کسمسا کر کروٹ بدل لی آنگن چڑیوں کی چہکار سے بیدار تھا۔ اس نے انگڑائی لے کر پوری آنکھیں کھول دیں۔ آنگن کا فرش چمک رہا تھا گویا اماں صفائی کرچکی تھیں اور اب کچن میں ناشتہ بنانے میں مشغول تھیں۔ وہاں سے اٹھتی چائے کی خوشبو اور برتنوں کی کھنک سے اندازہ لگاتی چارپائی سے اٹھی اور باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا اور کچن میں اماں کے پاس پیڑھی پر آبیٹھی۔

''مجھے چائے دیں اماں۔'' وہ بے زاری لگ رہی تھی' سارا دھیان رات ادھوری چھوڑی کہانی میں اٹکا تھا۔

''خالی پیٹ چائے پی کر معدہ جلانے کی ضرورت نہیں' ناشتہ کرو ساتھ پراٹھا بنادوں؟'' اماں آٹا گوندھ چکی تھیں اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''ہاں بنادیں۔'' وہ اٹھ کر چائے میں کچھ اور دودھ کا اضافہ کرنے لگی پھر کیبنٹ کھول کر اچار کا جار نکالا' جو خالی تھا۔ تھوڑا سا مسالہ چند بوند تیل پیندے میں موجود تھا' اس کا موڈ یک دم غارت ہوگیا۔

''پراٹھا مت بنائیے گا اماں۔'' اس نے جار واپس کیبنٹ میں دے مارا۔ اماں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''کیوں کیا ہوگیا؟''

''کچھ نہیں' بس دل نہیں کررہا کچھ دیر بعد کرلوں گی۔'' وہ چائے چھان کر مگ میں نکال کر اپنے کمرے میں آگئی۔ چیئر گھسیٹ کر ٹیبل کے قریب بیٹھ گئی۔ چائے کے دوران وہ رات بھر کے پیغام پڑھتی رہی۔ چوتھا پیغام اس کے ادارے کی مدیرہ کا تھا' جن کا کہنا تھا۔

''کسی مشہور ٹی وی پروڈکشن ہاؤس کا پروڈیوسر اس کا نمبر مانگ رہا تھا۔ ساتھ انہوں نے پروڈیوسر کا نمبر بھی لکھا ہوا تھا کہ وہ چاہے تو اس سے رابطہ کرلے۔'' اس کے اندر یک دم جوش سا بھر گیا۔ وہ بھاگتی ہوئی اماں کے پاس آئی اور یہ تازہ خبر بڑے جوشیلے انداز میں ان کو سنائی مگر اس کی طرح نہ وہ پُرجوش ہوئیں نہ خوش بلکہ ان کی سنجیدگی کچھ اور بڑھ گئی۔

''کیا ضرورت ہے زارا اتنا آگے جانے کی۔ ہمارا گزارا بہت اچھا ہورہا ہے بیٹے۔'' وہ جتنی قانع و شاکر تھیں زارا اس حد تک بدمزا اور تلخ ہوکر رہ گئی۔

''بہت اچھا ہورہا ہے۔'' وہ پھنکاری پھر گہرے طنز سے بولی۔

''آپ کو پتا ہے میں نے ناشتہ کیوں نہیں کیا؟''

''کیوں نہیں کیا؟'' اماں کا حیران ہونا فطری تھا۔

''جب آپ کو پتا ہی نہیں تو پھر بتانے کا فائدہ۔'' تلملاہٹ کا ہی نہیں اس کے اندر بے زاری اور یاسیت کا بھی تاثر بکھرا تھا۔ وہ واپس پلٹی تو ساری سرشاری گہری یاسیت اور بے دلی میں ڈھل گئی تھی۔ اسے ہمیشہ یہ شکوہ رہا تھا کہ اماں نے اس کی نسبت بھائی سے زیادہ محبت کی تھی' پتا نہیں اس شکوے میں کس حد تک سچائی تھی۔

❀......☆......❀

''پیسے آگئے ہیں......؟'' آج وہ گھر کی صفائی میں جتی ہوئی تھی۔ ٹخنوں سے خاصی اونچی جینز جس کے پائنچے فولڈ کیے گئے تھے' وائٹ چکن کا کُرتا' دوپٹے کا تکلف تو وہ صرف گھر سے باہر جاتے وقت کیا کرتی وہ بھی صرف اماں کو مطمئن کرنے کو۔ آستینوں کو بھی چڑھایا ہوا تھا۔ ہانپ لگائے وہ شڑاپ شڑاپ دھلائی میں مصروف تھی۔ جب اماں کے سوال پر ہاتھ تھم گئے۔

''نہیں! بخار تھا مجھے تو ناول کی قسط لیٹ پوسٹ کی۔ شامل اشاعت نہیں ہوئی۔'' اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے بتایا۔ اماں کے چہرے پر اک رنگ آکے گزرا تھا۔ دو جانوں کا خرچہ تو زیادہ نہیں تھا مگر بجلی' گیس' پانی کے بل اور مکان کا کرایہ' ان کی اصل فکر کی وجہ یہی خرچے ہوتے تھے۔

''کسی اور جگہ سے بھی نہیں ملے بیٹے؟'' اماں کا لہجہ دھیما اور بجھا ہوا تھا۔

''دوسرے پرچے میں لگا تو ہے ناول' آجائیں گے اس سے کچھ پیسے۔''

اس نے پائنچے اتار کر لپیٹتے ہوئے بتایا تب ہی کال بیل ہوئی۔ وہ چونک۔ ڈیوڑھی میں موجود تھی' دروازہ اس نے کھولا' بلیک ٹو پیس میں ملبوس' ہاتھ میں سیاہ چشمہ پکڑے وہ سوٹڈ بوٹڈ شکل سے امیر کبیر نظر آتا بندہ زارا کے حلق تک میں کڑواہٹ بھر گیا۔ اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔

''اماں!'' وہ وہیں سے حلق پھاڑ کے چیخی۔ اماں جو کچن میں تھیں گھبرا کر نکلیں۔

''کیا ہوا...... خیریت؟''

''جی' مگر میرے لیے نہیں۔ باہر آپ کا کوئی لینڈ لارڈ بھانجا' بھتیجا ہے۔ آپ کو پتا ہے میں انہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔'' وہ واپس آئی اور وائپر اٹھا کر لگانا شروع کردیا۔ اماں تیزی سے باہر لپکیں اس نے دلچسپی نہیں لی تھی۔ اماں کچھ دیر بعد ہی پھر آگئیں مگر کچھ جھنجلائی ہوئی تھیں۔

''تم بھی نہ زارا' بس کیا کہوں' نہ ڈھنگ سے دیکھا' نہ نام پوچھا۔ حد ہے تم سے۔'' اماں ڈرائنگ روم میں آنے والے مہمان کو بٹھا کر زارا کی عزت افزائی کررہی تھیں۔

''جاؤ مل لو جاکے۔'' اماں کے کہنے پر وہ زور سے بدکی۔

''آپ کو پتا ہے......''

''وہ ٹی وی کا بندہ ہے' کہہ رہا ہے زارا ملک سے ملنا ہے' کسی ڈرامے کے سلسلے میں۔'' اماں کے ٹھنڈے لہجے میں جتلا کر کہنے پر وائپر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''سچ کہہ رہی ہیں اماں؟'' وہ خوش گوار حیرت میں گھر گئی تھی حالانکہ اس نے تو رابطہ بھی نہیں کیا تھا کہ اماں کے ٹوکنے پر غصہ آگیا تھا پھر ان کا جواب سنے بغیر ڈرائنگ روم کی سمت بھاگی۔

''دوپٹہ تو لے جاؤ' غیر محرم ہے تمہارا۔'' اماں نے برہمی سے تنبیہہ کی تھی وہ یک دم خفت زدہ ہوگئی۔ جوش میں اسے یکسر خیال نہیں رہا تھا' وہ واپس پلٹی اور دوپٹہ لیا۔

''السلام علیکم! میں میران شاہ ہوں' خوشبو پروڈکشن ہاؤس کا اونر اور پروڈیوسر۔'' وہ اسے دیکھتے ہی احتراماً اٹھا تھا۔ زارا تھوڑی سی کنفیوز ہوئی۔

''وعلیکم السلام! میں زارا ملک ہوں۔'' اس نے اختصار سے کام لیا تھا اور صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ مقابل فریق کسی قدر حیرت و غیر یقینی کا شکار نظر آرہا تھا۔

''زارا ملک یعنی مصنفہ؟'' اس کا لہجہ اس قدر استعجابی تھا' زارا نے سر اٹھا کر تلخ نظروں سے دیکھا۔

''آپ کا کیا مطلب ہے مسٹر شاہ؟ آپ کو میری قابلیت پر کوئی شک ہے؟''

''نہیں......'' وہ گڑبڑایا۔ پھر خود کو سنبھال کر خوش دلی سے مسکرادیا۔

''اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو مس ملک لیکن آپ مجھے رائٹر کی بجائے کسی کہانی کی ہیروئن زیادہ لگ رہی ہیں۔ اگر میں آپ کو اپنے پلے میں ہیروئن کا رول آفر کروں تو......؟''

''مسٹر شاہ! شٹ اپ' اٹھیں یہاں سے اور تشریف لے جائیں۔'' وہ گرج کر بولی تو میران شاہ حق دق رہ گیا۔

غزل

لوگ بھی جھوٹے' پیار بھی جھوٹا
جھوٹا جگ' سنسار بھی جھوٹا
جھوٹی قسمیں' جھوٹے وعدے
بنتا ہے ہر یار بھی جھوٹا
کھوٹ ہی کھوٹ اور دغا یہاں پہ
سارا کاروبار بھی جھوٹا
کس کو شریک راز بنائیں
اپنا تو رازدار بھی جھوٹا
جھوٹا چاہے جو بھی کرلے
ایک بار بھی اور سو بار بھی جھوٹا
جھوٹ پہ صفیہ خوش مت ہونا
اس کے آنے کا آثار بھی جھوٹا

صفیہ مغل...... لیہ

م

''آپ نے شاید مائنڈ کیا' آئی ایم سوری۔ ایکچوئیلی......''

''دیکھیں مسٹر آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

''میں ایکسکیوز کررہا ہوں کہ......''

''لیکن میں نے آپ کا ایکسکیوز قبول نہیں کیا' آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔''

اسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ میران شاہ پریشان سا بیٹھا رہ گیا۔

❀......☆......❀

وہ بہت تند خو تھی' کسی بھی معمولی بات پر آپے سے باہر ہوکر مرنے مارنے پر تل جانا اس کی عادت بن چکی تھی بقول اماں کے غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی۔ یہ تلخی اور بدمزاجی حالات کی عطا کردہ تھی' جب ابا نے دوسری شادی کرکے بیوی بچوں سے غفلت برتی تب وہ صرف آٹھویں کلاس کی طالبہ تھی اور اظہر بھائی انٹر کے طالب علم۔ اماں نے سلائی کڑھائی جبکہ اظہر نے ٹیوشن کرکے یہ وقت کاٹا تھا' چار سے چھ سال اسی مشقت میں گزرے وہ گریجویشن کررہی تھی' جب اماں کو بیٹے کی شادی کا شوق چڑھا اور جو پیسہ جمع کیا ہوا تھا وہ اس کی شادی پر لگادیا۔ بہو اکلوتی تھی اور اماں ناز اٹھاتے نہ تھکتی تھیں' خود تو نوکر بنیں ساتھ زارا کو بھی بنادیا' مگر بہو صاحبہ کے مزاج پھر بھی نہیں ملتے تھے۔ دن رات اظہر کے کان بھرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ بہن اور ماں کے خلاف ہوگیا اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ دونوں بہو صاحبہ کو چبھنے لگیں' آئے دن بغیر کسی وجہ کے دنگا فساد اظہر کی بیوی کا شعار بن گیا۔

اظہر اکتایا ہوا اور بے زار رہنے لگا' انتہا اس وقت ہوئی جب بیوی کے اکسانے پر اس نے زارا کے بعد اماں پر بھی ہاتھ اٹھایا۔ یہ زارا کے ضبط کی انتہا تھی' اماں تو شاید تب بھی تختہ مشق بننے پر تیار رہتیں۔ زارا پہلی بار بولی مگر یہ بولنا ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اسے مہنگا پڑ گیا تھا۔ اسی بات کو بنیاد بناکر اظہر کی بیوی نے پوری طرح مٹھی میں کیے اظہر کے ہاتھوں ذلیل وخوار کرکے دونوں ماں بیٹی کو گھر سے نکال دیا۔ وہ رات بہت ظالم تھی' بہت مہیب طویل اور سفاکیت لیے ہوئے۔ طوفانی رات جس میں صرف ان کی آنکھیں ہی نہیں آسمان بھی برستا رہا تھا۔ زارا نے اپنی ایک کلاس فیلو کے گھر عارضی پناہ لی تھی اور پھر وہاں سے وہ ماں بیٹی کرائے کے مکان میں آ گئیں۔

اماں کے تمام رشتہ دار کھاتے پیتے اور صاحب حیثیت تھے مگر اماں کو ہاتھ پھیلانے کی عادت نہیں تھی اس کے باوجود کبھی کبھار کوئی آجاتا ہمدردی جتانے' زارا کو اس ہمدردی سے چڑ تھی۔ وہ جانتی تھی ہمدردی کی آڑ میں یہ لوگ ان کی جاسوسی کرنے آتے تھے مگر مجال ہے اماں نے کبھی گھر آئے کسی مہمان سے تیوری پر بل ڈال کر ملا ہو چاہے وہ جانی دشمن ہی کیوں نہ ہو' زارا جو شوق میں لکھتی تھی ٹھونک بجا کر اس میدان میں اتر آئی۔ اس کے بے پروا قلم سے درد کا لاوا پھوٹا تو لوگوں کو خون کے آنسو رلا دیا۔ وہ بیک وقت ہزاروں دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ بنا دیکھے بنا جانے لوگ اس کی تحریروں کے ذریعے اس کے مداح ہوگئے تھے مگر اس کے دل میں اس کے قلم کی سی کاٹ تلخی اور برہمی تھی۔ خاص طور پر صنف مخالف کے لیے۔ اس کے دل میں بے حد کدورت تھی' اماں کبھی دکھ میں آکر اظہر کی بیوی کے رویئے کا شکوہ کرتیں تو اس کی زبان اظہر کے خلاف زہر اگلنے لگتی۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ قصور اظہر کا نہیں ہے' اس کے خیال میں اگر اظہر قصوروار نہ ہوتا تو اس کی بیوی کی جرأت نہیں تھی ان کے ساتھ یہ سلوک کرنے کی۔

❀......☆......❀

بلیک کھدر کا ڈھیلا ڈھالا کرتا' بلیو جینز پہنے۔ کاندھے پر تھیلے نما بیگ۔ اونچی ریشمی بالوں کی پونی ٹیل بے تحاشا گوری رنگت' مناسب سراپا جو لچکتی ڈال جیسا تھا اور بے تحاشا حسین نقوش' یہ تھا زارا ملک مشہور ومعروف مصنفہ کا حلیہ' اس حلیہ پر اماں کو بے حد اعتراض تھا۔ برملا وہ اس کے اس حلیے پر تنقید کرچکی تھیں مگر زارا کو پروا کب تھی۔ پروا تو اسے اس پسماندہ علاقے کے ان باسیوں کی آنکھوں میں امڈتے اس ماہی منڈے جیسی لڑکی کو دیکھ کر امڈتی حیرت اور چھچھور پن سے لے کر ہوس تک کی بھی نہیں تھی۔ جو اسے سستا اور بکاؤ مال سمجھ کر ان کے چہروں پر اتر آتی تھی۔ شروع میں جب وہ اماں کے ساتھ یہاں شفٹ ہوئی تھی تو کتنا بوکھلائی اور عاجز ہوئی تھی۔ ان نظروں' ان تاثرات سے مگر پھر اس نے ان رویوں اور نظروں کی کاٹ کا طریقہ سیکھ لیا تھا۔ وہ بھی تیکھی تیز دھار تلوار بن گئی تھی۔ اپنی زبان کی بدلگامی اور کڑواہٹ کے بل بوتے پر اس نے اپنے دفاع کا انداز اپنایا اور بدزبان' مغرور اور بددماغ مشہور ہوگئی کہ عزت کی چادر سے اپنا بدن بچالیا۔ اماں کو اس کے یہ اطوار وانداز پسند نہیں تھے مگر ان کی ہر بات ماننے والی زارا صرف اسی بات پر ان کی مرضی کے تابع نہیں کرسکی خود کو۔ دوسرا اختلاف اس کا ان سے شادی کے موضوع پر تھا۔ وہ اپنے طور پر شادی نہ کرنے کا خود سے پختہ عزم کرچکی تھی اور اس پر سختی سے قائم بھی تھی پھر خیر سے اس کے آس پاس اور خاندان بھر میں بدمزاجی اور بدزبانی کے قصے مشہور ہوچکے تھے مشکل ہی تھا کوئی الو ایسی سے شادی پر آمادہ ہوتا۔ تبھی وہ کچھ زیادہ ہی مطمئن تھی۔ سیٹی کی آواز پر وہ جو پسینوں سے شرابور ہاتھوں میں راشن کے تھیلوں کا بوجھ لادے رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی ذرا چونک کر متوجہ ہوئی' اگلے لمحے اس کی صبیح پیشانی پر ناگواری بکھر گئی۔ تین چار شکل سے آوارہ نظر آتے لڑکوں کا ٹولہ کچھ فاصلے پر موجود پوری طرح اس کی سمت متوجہ تھا' اسے دیکھتے پاکر بڑے اوفرانہ انداز میں سلام جھاڑا گیا۔ جسے وہ بڑی خوبی سے نظر انداز کرگئی' جتنی بھی شعلہ مزاج تھی مگر یہاں ان لفنگوں سے ٹکر لینا بھی بہرحال اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ فحش گالیوں اور بے ہودہ جملوں کو ان سنی کیے بھی اس کی پیشانی تمام تر بہادری طراری اور اعتماد کے باوجود عرق ریز ہوگئی تھی۔ رنگت میں واضح تغیر اتر آیا' یہ اس کا محلہ نہیں تھا جس کے غریب اور جاہل باسی اس سے خائف رہنے لگے تھے۔ یہاں اس کی گھبراہٹ اور پریشانی فطری تھی' جس نے اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا کردی تھی۔

''ڈر کیوں رہے ہو سوہنیو؟ لاؤ یہ شاپر ہمیں دے دو۔ قسم سے باحفاظت گھر تک پہنچا دیں گے۔'' وہ بدقماش لڑکے اس کے پیچھے آرہے تھے' اگلے چند لمحوں میں وہ دائیں بائیں آگے پیچھے اس کے ہم قدم ہوگئے تھے' ان میں سے ایک نے باقی ساتھیوں کو معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر زارا سے ہمدردی کی تو اس کا اعتماد کچھ اور متزلزل ہوکر رہ گیا تھا۔

''میں تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتی' دفع ہوجاؤ یہاں سے۔''

وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز بھی بامشکل نکل سکی وجہ ان لڑکوں کی آواز اور آنکھوں سے چھلکتے وہ بے ہودگی کے تاثرات تھے' جنہوں نے زارا کو خوف زدہ کردیا تھا۔

دعا کاظمی

السلام علیکم! میری پیاری بہنو اور دوستو! کیا حال ہیں جناب! ہم تو اے ون فرسٹ کلاس ہیں۔ میرا اسم گرامی دعا کاظمی ہے۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں تین بہن اور تین بھائی' میرا نمبر آخری ہے۔ اس لیے گھر بھر کی لاڈلی ہوں۔ میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں اور آنچل آٹھویں کلاس سے پڑھنا شروع کیا۔ میرا خواب وکیل بننے کا ہے ایک دوست نے کہا تھا دعا تم وکیل بننا۔ تو پہلے اس کا خواب تھا اب میرا بھی (بہنوں اور دوستوں دعا کرنا میں ایک دوست کا خواب پورا کرسکوں) کھانوں میں مجھے پالک گوشت' پکوڑے' رول جو بھی سامنے آئے وہ کھا جاتی ہوں۔ کوکنگ کرنا آتی ہے مگر کوئی کرنے نہیں دیتا کہ ابھی تم چھوٹی ہو۔ شہروں میں کاغان' مری' سوات اور اپنا اسلام آباد۔ رنگوں میں سرخ اور سفید بہت پسند ہے۔ موسم بہار اور بارش میں بھیگنا بہت اچھا لگتا ہے۔ دوستوں میں یوں تو بہت ساری ہیں مگر دل کی ایک ہی دوست ہے نام اس کا لکھ نہیں رہی سب کو پتا چل جائے گا۔ اب میں اپنی خامیوں کے بارے میں بتادوں غصہ کم کرتی ہوں اور جب آجائے تو آگے آپ سمجھ جائیں۔ (ہاہاہا) اعتبار بہت جلد کرلیتی ہوں جس سے فائدہ بہت ہوتا ہے۔ بے پروائی میں سب سے آگے ہوں۔ اچھا اب خدا حافظ۔ قارئین سے گزارش ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

''ارے آپ تو ناراض ہوگئیں میڈم! بُرا مت مانیں' نازک سی جان ہے تمہاری' قسم اللہ کی سامان کے ساتھ آپ کو بھی باخوبی سنبھال لیں گے۔''

اک جوان میں کچھ زیادہ ہی جوشیلا نظر آتا تھا نے ہاتھ بڑھا کر اس سے شاپر لینے کے بہانے ہاتھ پکڑا تو تمام سامان کے شاپر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ لڑکے کی اس حد تک بڑھی ہوئی گستاخانہ حرکت نے اسے کچھ اس انداز میں مشتعل کیا کہ وہ خود پر کنٹرول نہیں کرسکی۔ فضا میں چٹاخ کی آواز کا شور ابھرا' اس کے تمانچے نے نوجوان کو تھرا کے رکھ دیا تھا۔ حیرت اور غیر یقینی کی کیفیت نے اسے سکتے میں مبتلا کردیا تھا مگر اگلے لمحے وہ بپھر اٹھا اور زارا پر کسی بھیڑیے کی طرح جھپٹ پڑنا چاہتا تھا کہ گاڑی کے ٹائر اچانک ان کے قریب بہت زور سے چرچرائے تھے۔ حواس باختہ زارا نے دیکھا فرنٹ ڈور کھول کر کوئی بہت تیزی سے باہر آیا تھا مگر صرف اک نظر اگلے لمحے وہ بکھرتے لڑھکتے پھلوں اور دیگر اشیاء کی پروا کیے بغیر صرف اپنے بچاؤ کی خاطر جس سمت منہ اٹھا بھاگتی تھی جب کہ وہ لڑکا شکار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر اس کے پیچھے لگنے کو تھا کہ گاڑی سے باہر آنے والے میران شاہ نے لڑکے کی شرٹ کو پیچھے سے پکڑ کر زور سے کھینچا اور ایک جھٹکے سے رخ اپنی جانب کرلیا۔

''کیا ہورہا ہے یہ؟'' اس کا لہجہ غیظ سے بوجھل تھا۔ لڑکا اس وجیہہ آدمی کی مداخلت پر بوکھلایا۔

''سر یہ لڑکی؟''

''تمیز سے بات کرو۔'' وہ زور سے دہاڑا تو جواباً لڑکے کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھی تھیں۔

''کیوں؟ اس ہمدردی کی وجہ' بہن لگتی ہے تمہاری؟''

اس بدتمیزی کے جواب میں ایک گھونسہ آ کر اس کے منہ پر لگا تھا پھر دوسرا پھر تیسرا۔ میران کا اشتعال اور غضب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے صحیح معنوں میں ان چاروں کو ٹھوکروں اور تھپڑوں کی زد میں رکھ لیا تھا۔ وہ لڑکے اس عفریت سے جان چھڑانے کی کوشش میں حواس باختہ نظر آرہے تھے پھر جس کا جس سمت منہ اٹھا بھاگ نکلا تھا۔ میران نے اک نگاہ کچھ فاصلے پر متحیر نظر آتی' زارا دوسری بکھرے ہوئے سامان پر ڈالی اور گہرا سانس بھر کے وہ ساری چیزیں سمیٹنے لگا۔

''یہ میرا سامان ہے غالباً۔'' میران ان تمام اشیاء کو شاپرز میں ڈال کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھ رہا تھا۔ جب زارا کی اس طنزیہ آواز پر اس نے سنجیدگی کے ساتھ گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''بیٹھیں' میں ڈراپ کردیتا ہوں آپ کو۔'' اس نے رسان سے مگر ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ کا یہ احسان لوں گی؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''آپ کو گھر سے اکیلے نہیں نکلنا چاہیے' یہ احسان اس وقت لینا ضروری ہوگیا ہے مس زارا ملک! وہ لڑکے پھر سے آپ کو پریشان کرسکتے ہیں۔'' میران کا لہجہ ہنوز' سنجیدگی متانت اور ٹھہراؤ لیے ہوئے تھا' وہ طنز سے مسکرائی۔

''آپ کو نہیں لگتا آپ ضرورت سے زیادہ پرسنل ہورہے ہیں مسٹر؟'' سامان واپس اٹھاتے ہوئے وہ پھنکار کر کہتی جتلانے سے باز نہیں آئی۔ میران کے چہرے سے واضح بے بسی چھلکی۔

''زارا پلیز...... سمجھنے کی کوشش کرو اگر آپ اس وقت میری گاڑی میں بیٹھ جائیں گی تو یہ ہرگز بھی آپ پر احسان نہیں ہوگا۔'' وہ عاجز ہوکر بولا مگر زارا ان سنی کیے رکشہ روک چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح کرایہ پر بحث و تکرار کرنے کی بجائے اس نے ڈرائیور کو ایڈریس سمجھا کر سیٹ سنبھالی تو وجہ میران سے جلد از جلد جان چھڑانا تھی مگر اس وقت وہ دانت کچکچا کر رہ گئی تھی' جب گھر کے سامنے اترنے پر ڈرائیور نے کرایہ کی رقم لینے سے انکار کرتے ہوئے بتایا کہ ''صاحب! ادائیگی کرچکے ہیں۔'' اس نے ڈرائیور کے اشارے پر گردن موڑی تو حیرت سے اس کی نگاہیں پھیل گئی تھیں۔ میران اس کے گھر کے سامنے سے گاڑی موڑ رہا تھا' زارا ہونٹ بھینچے اس کی گاڑی کے ٹائروں سے اٹھنے والی دھول کو دیکھتی رہی۔ یہ خیال اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا کہ وہ اس کی خاطر محض اس کی خاطر کیوں اتنا کاوشش ہورہا تھا۔

❀......☆......❀

''السلام علیکم ماں جی!''

ٹب میں بھگوئے کپڑوں کو ہاتھوں سے مل مل کر دھوتی اماں نے حیرانی سے پلٹ کر دیکھا تو میران شاہ کو وہاں کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''وعلیکم السلام بیٹے! بیٹھو۔'' انہوں نے مروتاً کہا۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ انہیں یکسر غیر اور جوان مردکا یوں بے تکلفی سے گھر آنا قطعی پسند نہیں تھا۔

''آپ کو کچھ کام تھا زارا سے؟ وہ تو گھر پر نہیں ہے۔'' انہوں نے ٹب اپنے سامنے سے کھسکایا اور کرنل سے ہاتھ دھونے لگیں۔

''جی نہیں' میں تو یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ کی خیریت دریافت کرتا چلوں۔''

پیپل کے چوڑے تنے والے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر ٹکتے ہوئے میران نے وضاحت پیش کی۔ اماں نے اک نظر اس بے حد شاندار نوجوان کو دیکھا پھر خاموشی سے کچن میں چلی گئیں۔ واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں موجود چھوٹی ٹرے میں گلاس رکھا تھا۔ خوش نما شربت کی سطح پر برف کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

''آپ نے خوامخواہ تکلف کیا ماں جی!'' وہ خفیف سا ہوکر بولا تو ان کی نگاہ اس پل میران کے ہمراہ لائے گئے فروٹ اور خشک میوہ جات پر جا پڑی تھی۔

''تکلف تو آپ نے کیا ہے بیٹے! میں اک بات کہنا چاہوں گی' ہوسکتا ہے آپ کو اچھی نہ لگے' ہمارا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جو روزگار کے ناجائز ذرائع اختیار کرلیتے ہیں۔ میں روایات کی پاسداری کی قائل ہوں' جوان بیٹی کی ماں کو یوں بھی محتاط ہونا چاہیے۔ مجھے امید ہے آپ میری تھوڑی کہی بات سے ہی اصل نتیجہ اخذ کرچکے ہوں گے۔''

وہ خاموش ہوگئی تھیں' ان کے خیال میں میران کا چہرہ اتر جانا چاہیے تھا' لہجہ جتنا بھی نرم سہی مگر بات بہرحال سخت تھی۔ اس کے باوجود اگر وہ مسکرایا تھا تو اس کی وجہ وہ فوری طور پر سمجھنے سے قاصر رہی تھیں۔

❀......☆......❀

''جی سرمد صاحب! ڈونٹ وری سر! میں بس دس منٹ میں پہنچ رہی ہوں' جی بالکل......'' وہ رکشے سے اتری تو کان سے موبائل فون لگا ہوا تھا۔ وہ فون پر محو گفتگو اپنے مخصوص بے نیاز اور شاہانہ انداز میں آڈیٹوریم کی جانب جارہی تھی۔ میران شاہ کی نظریں اس پر جم سی گئی تھیں' اس کی گفتگو کا اک اک حرف اس کی سماعتوں میں اترا تھا۔ تبھی وہ خود کو اس کی جانب بڑھنے سے روک نہیں سکا۔ آڈیٹوریم میں آج محفل مشاعرہ تھا' نامور ادیب اور شاعر حضرات مدعو تھے بظاہر مہذب اور شائستہ نظر آنے والے یہ لوگ درحقیقت کس پسماندگی اور پستی کا شکار تھے یہ بھی میران سے ڈھکی چھپی بات نہیں تھی وہ عین اس وقت اس کے راستے کی دیوار بن گیا جب زارا آڈیٹوریم کے داخلی گیٹ سے اندر جانے والی تھی۔ اس مداخلت پر زارا کی پیشانی پر ناگواری شکنوں کی صورت ابھر آئی۔ اس نے تیز مگر جھلسا دینے والے انداز میں اسے گھورا تھا۔

''راستے سے ہٹو۔'' زارا کا لہجہ خشک اور انداز سرد مہر تھا۔

''آپ کچھ دیر وہاں بیٹھ کے میری بات سن لیں پلیز۔'' وہ جیسے ملتجی ہوا مگر زارا کا طیش بڑھ گیا تھا۔

''کیا تم پاگل ہو؟ کیوں پیچھے پڑگئے ہو میرے؟'' وہ حلق کے بل غرائی تھی۔

''میرا خیال ہے ہم وہاں بیٹھ کر زیادہ سہولت سے اک دوسرے کو اپنی بات سمجھا سکتے ہیں۔''

اب کے میران نے نا صرف کہا تھا بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹتا سامنے موجود ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ زارا تو صحیح معنوں میں اس کی جرأت کے اس اعلیٰ مظاہرے پر ششدر ہوکے رہ گئی تھی مگر جب یہ غیر یقینی تمام ہوئی تو اس کا غضب ظاہر ہوا۔ جسے میران نے بڑے تحمل اور سکون سے برداشت کیا۔

''مجھے آپ سے صرف یہ کہنا ہے زارا صاحبہ! یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ جیسی معصوم لڑکی ان سے میل جول رکھے' گدھ کا کام ماس کھانا ہے وہ مردار ہو یا پھر......''

''مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں اور تمہیں کس

نے کہا کہ مجھے تمہاری کسی بات پر یقین آ جائے گا۔'' وہ کہہ کے طنز سے بولی تو میران نے ٹھنڈا سانس بھرلیا۔

''میں آپ کا خیر خواہ ہوں زارا! ساری دنیا کو اس بات کا علم ہے کہ آپ اپنی والدہ کے ساتھ تنہا رہتی ہیں' کسی مرد کا سر پر سایہ نا ہونا بھی اس دنیا میں بے آسرا ہونے کی علامت ہے۔ ایسی خواتین کو مرد تر نوالہ سمجھ کر نگلنے میں عجلت سے کام لیتے ہیں اور یہ کام ان کے لیے کچھ اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ تحفظ احتیاط میں پوشیدہ ہے اور کچھ اہم فیصلوں میں بھی۔ میرے خیال میں ماں جی نے آپ کو وہ اہم بات ضرور بتائی ہوگی۔'' سنجیدگی سے بات کرتا وہ آخر میں ایک دم شوخ ہوکر مسکرایا۔ زارا کے چہرے پر یکلخت سرخی چھاگئی۔ میران یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ آیا یہ سرخی حجاب کی تھی یا پھر غصے کی زیادتی کا ایک رنگ۔

''میں واپس گھر جارہی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے میں آپ کی بات کو کوئی اہمیت دے رہی ہوں۔ میں وہ صفحہ گھر بھول آئی ہوں جس پر میری نظم لکھی ہوئی تھی۔'' وہ سر جھکائے اپنا تھیلے نما بیگ کھنگال رہی تھی۔ میران صرف مطمئن نہیں ہوا اس نے مسکراہٹ بھی دبائی تھی۔ اب اس مقام پر کچھ جتا کر وہ اس لڑکی کی خوب صورت سی انا کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔

❁......☆......❁

''تم نے میری بات کا ابھی تک جواب نہیں دیا ہے زارا۔'' اماں نے اس کے پاس چائے کا مگ رکھتے ہوئے بے حد ناراضی سے اسے دیکھا۔ زارا کا تیزی سے چلتا ہوا قلم یک دم رک گیا۔ پچھلے ہفتے انہوں نے اسے شادی کی ضرورت اور افادیت پر طویل لیکچر دینے کے بعد میران کے پروپوزل کے متعلق بتایا تھا کہ وہ اس سے شادی کا خواہش مند ہے۔ جواب میں وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

''اسے جرأت کیسے ہوئی یہ بات کہنے کی؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ وہ یہ حق محفوظ رکھتا ہے کہ کسی بھی مسلمان عورت کو نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔'' اس کے غصے میں لال پیلے ہونے پر اماں نے درشتی سے کہا۔

''مگر میں شادی میں دلچسپی نہیں رکھتی ہوں' آپ جانتی ہیں۔'' وہ جھنجلانے لگی تھی۔

''شادی مذہبی فریضہ ہے زارا! جان بوجھ کر نکاح نہ کرنے والے مرد عورت کا جنازہ جائز نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو تمہاری زندگی کتنی مشکل ہے' کس لیے؟ مرد کا ساتھ اور سایہ نہ ہونا زندگی کو مشکل بنا دیتا ہے بیٹے! اللہ نے دنیا میں عورت کا سائبان بنایا ہے مرد کو۔ اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں ہے۔ تم آخر کیوں حقیقت سے فرار چاہتی ہو؟''

''ضروری تو نہیں یہ سائبان اپنی گھنیری چھایا کا حق دار بھی بنائے عورت کو۔ اماں آپ کی تلخ اور کڑوی مثال سامنے ہے میرے' اولاد بھی' فرماں بردار بیوی بھی پھر بھی ابا نے دوسری شادی کی' کیوں؟'' اس کے الفاظ کی طرح اس کا لہجہ بھی تلخ اور ترش تھا۔ اماں کو اس سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ وہ دودھ کی جلی تھی اب چھاچھ پھونک کر بھی پینے پر آمادہ نہیں تھی۔

''دوسری شادی جرم نہیں ہے۔'' اماں کا انداز ناصحانہ تھا' وہ تلخی سے مسکرائی پھر زہر خند سے بولی۔

''مگر پہلی بیوی کو لٹکتی ہوئی ڈال کی مانند بے آسرا چھوڑ دینا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا ضرور بہت بڑا جرم ہے۔''

''وہ میرا نصیب تھا بیٹے! تم اپنے ابا کی بجائے اپنے بھائی کی زندگی کو بھی دیکھ سکتی ہو۔ اس نے بیوی کی خاطر ماں کو چھوڑ دیا تھا۔'' اماں کا صبر کمال درجہ کا تھا' زارا کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

''میں لعنت بھیجتی ہوں اظہر جیسے مردوں پر' جو دنیا خرید کر آخرت کو غارت کردیتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک شرک کے بعد گناہ عظیم والدین کی نافرمانی ہے مرد پر ماں کے حقوق بیوی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔'' اماں مسکرائی تھیں پھر اسے گلے لگالیا۔

''مجھے اپنی فرماں بردار بیٹی پر بھروسہ ہے' جہاں جائے گی وہاں ہر سو اپنی سمجھ بوجھ سے روشنی بکھیر دے گی۔'' ان کی توقعات کا کوئی انت تھا بھلا' زارا لمحوں میں تھک سی گئی۔

''مجھے معاف کردیں اماں! میں ابا اور اظہر بھائی کی طرح آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ آپ کہہ لیں' میں چاہوں بھی تو ایسی بے حسی کا مظاہر نہیں کرپاؤں گی۔''

''تمہارا جانا میرے لیے تکلیف دہ نہیں آسودگی کا باعث ہوگا بیٹے! مجھے ہر دم دھڑکا لگا رہتا ہے اگر مجھے کچھ ہوگیا تو......'' زارا نے دہل کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''خدا نہ کرے اماں! اللہ میری عمر بھی آپ کو لگادے۔'' وہ سسک اٹھی اماں گم صم تھیں۔

❁......☆......❁

''آپ کا بہت شکریہ' آپ اب تشریف لے جائیے۔ مجھے مزید آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔''

عیدالاضحیٰ کا دن تھا۔ اسپتال کے کاریڈور میں سناٹا تھا' اماں کو کچھ دیر پہلے ہی ایمرجنسی سے روم میں منتقل کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ان کی طرف سے بھرپور تسلی دی تھی۔ زارا خود بھی انہیں پرسکون نیند سوتا دیکھ چکی تھی جبھی کس قدر ریلیکس تھی مگر میران کے ساتھ اس کا رویہ پھر سے اجنبیت آمیز بیگانگی سمیٹ لایا تھا۔ کل رات اماں کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ ان کی حالت اتنی خراب تھی کہ زارا کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے' بدحواسی میں اس نے ہمسایوں کے دروازے کھٹکھٹا کر مدد کی اپیل بھی کی تھی مگر وہ سوائے ہمدردی کے کچھ نہیں کرسکے جب کہ اماں کو فوری اسپتال لے جانا بے حد ضروری تھا۔ تب کوئی چارہ نہ پاکر زارا کو میران کا خیال آیا تھا' وہ پچھلے چند مہینوں میں اس کی غیر محسوس انداز میں کئی بار مدد کرچکا تھا۔ احسان جتائے بغیر اس نے بنا سوچے سمجھے اس کا نمبر ملایا تھا اور صورت حال بتا کر فوری پہنچنے کا کہہ دیا' یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ وہ انا کا دامن پکڑے بیٹھی رہتی۔ نزدیک کلینک عید کے باعث بند تھا اور عید کے اگلے تین دن بند ہی رہنا تھا۔

میران آدھے گھنٹے میں اس کے روبرو تھا۔ کچھ کہے سنے بغیر وہ اماں کو گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے آیا تھا۔ یہاں اس کے اثر رسوخ کام آئے اور چند لمحوں میں اماں کو ایڈمٹ کرنے کے بعد بہترین علاج شروع کردیا گیا تھا۔ اماں کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا' طبی امداد میں گویا تاخیر ہوئی بھی مگر اتنی نہیں کہ جان کو خطرہ لاحق ہوجاتا۔

سوال

جب ساری خلقت سو جائے
ہر انساں بے حس ہوجائے
جب دنیا آگ میں لپٹی ہو
ہر بندہ بے بس ہوجائے
اک لمحے میں سب پاس ہی ہوں
اک لمحے میں سب کھو جائے
رو رو کر مائیں جاگتی ہوں
اولاد جدا جب ہوجائے
اک لمحہ زندہ رہنے کو
دشوار بلا کا ہوجائے
مشکل میں وہ ساتھ نہ دے
اور چادر تانے سو جائے
نہ خبر کسی کی ہم کو ہو
احساسِ خطا کم ہوجائے
جب سب کچھ بھول کے دنیا میں
ضمیرِ انساں سو جائے
تب میرا رب کیا کرتا ہے؟
میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں
سچ کیا ہے پانا چاہتا ہوں

جواد ظفر بٹ......قلعہ دیدار سنگھ

ساری رات زارا نے ایک ٹانگ پر گزاری تھی۔ صبح اماں کی حالت کے خطرے سے باہر ہونے کا مژدہ جانفزا سننے کے بعد اس کی ڈوبتی سانسیں بحال ہوسکیں۔

''کچھ کھالیں زارا! اماں اب ٹھیک ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔''

میران اس کے لیے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ اس کی مہربان آنکھوں میں زارا کے لیے کتنے نرم اور پُرخلوص جذبے تھے مگر وہ ان جذبوں کی پذیرائی نہیں کرنا چاہتی تھی' جبھی اس کا جواب خشک اور سرد ہی نہیں حوصلہ شکنی اور احسان فراموشی والا بھی تھا۔ میران نے بغور اسے دیکھا پھر ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

”سنا نہیں ہے آپ نے؟ جائیں یہاں سے۔“
اسے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔ میران نے ایک بار پھر اسے دیکھا۔

”میرا خیال ہے آپ کو نہ سہی مگر اماں کو میری ضرورت ضرور ہے اور اس وقت وہ جس کنڈیشن میں ہیں' میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ بھی آپ کے بھروسے پر۔“ اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ زارا کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا۔

”او..... ہیلو مسٹر! وہ تمہاری نہیں میری ماں ہیں' سمجھے۔“

”بات رشتے کی نہیں احساس کی ہوتی ہے۔ آپ بیٹی ہو کر اگر ان کی پریشانی اور خواہش کو نہیں سمجھ سکیں تو اس میں قصوروار آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔“ میران کا لہجہ کڑا اور ملامتی تھا۔ زارا کو جیسے آگ لگ گئی تھی۔

”تم ہوتے کون ہو مجھے یہ بات کہنے والے؟“ وہ جیسے اس کے گلے پڑ گئی تھی۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میں کچھ نہیں ہوتا آپ کا' جبھی آپ کو پریشانی اور مشکل میں میرا خیال آیا' اس بات پر غور کیجیے گا میڈم کہ اگر ایسا ہوا تو کیوں ہوا؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بڑے سکون سے کہتا' زارا کو جھلسا کے رکھ گیا تھا۔

”تم مجھ پر احسان جتلا رہے ہو کہ تم نے میری مدد کی ہے؟“ زارا کا چہرہ لال ہونے لگا۔

”اگر آپ کے نزدیک یہ احسان ہے تو اتار پھینکیں اسے' بولیں کیسے اتاریں گی؟“ میران ہنوز پرسکون تھا' زارا کا طیش کچھ اور بھی بڑھ گیا۔

”ہاں ضرور اتار دوں گی۔“ وہ چیخ کر بولی تھی' میران مسکرایا۔

”تاوان میری مرضی کا ہوگا۔“ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ زارا نے پھنکارتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔

”میں تم جیسے گھٹیا انسان کا احسان سر پر لاد کے نہیں رہ سکتی' ابھی اتاروں گی۔“ وہ غصے میں خود پر کنٹرول کھونے لگی۔

”شادی کروں گا تم سے' ساری عمر کے لیے اپنی تحویل میں رکھنا چاہتا ہوں اور اب تم انکار کی پوزیشن میں بھی نہیں رہیں۔“ وہ جیسے حظ اٹھا رہا تھا' زارا سرد پڑ گئی اور بے اختیار نظریں چرائیں۔

”اماں ٹھیک ہو جائیں تو میں آؤں گا تمہیں لینے' یاد رکھنا یہ بات۔“ میران جاتے ہوئے اسے بالخصوص جتلا گیا تھا۔

❀......☆......❀

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“

وہ عید کا تیسرا دن تھا' جب میران اماں کی خیریت دریافت کرنے آیا۔ کل شام عید کے دوسرے دن اماں نے میران سے اس کا نکاح بہت سادگی سے کر دیا تھا۔ میران کی فیملی سے صرف اس کی والدہ شریک ہوئی تھیں جو پاکستان میں ہی تھیں۔ اس کے بہن بھائی ملک سے باہر تھے اور ان کی شمولیت رخصتی کے موقع پر طے ہوئی تھی۔ اماں نے زارا کو اس بار ہاتھ جوڑ کر منایا تھا' وہ ہمیشہ کی طرح انکار نہ کر سکی تو وجہ اماں کی بیماری ہی تھی۔ اس نے جان لیا تھا اماں غلط نہیں کہتی تھیں۔ مرد سائبان ہے اور عورت کی زندگی اس سائبان کے بغیر ادھوری ہے۔ میران جیسا بھی تھا بہرحال اتنا اسے بھی یقین تھا وہ اس کی ضروریات کے علاوہ اس کے حقوق سے بھی نظر نہیں چرائے گا۔ یہ بات اس رات ایک پکار پر میران کے لبیک کہنے پر جان گئی تھی۔

”جیتے رہو بیٹے! میں بالکل ٹھیک ہوں اب' میری فکر نہ کیا کرو۔“ اماں واقعی بہت آسودہ اور ریلیکس نظر آئی تھیں۔ مسکرا کر گویا ہوئیں تو میران نے بھرپور نظروں سے انجان اور بے نیاز نظر آتی زارا کو دیکھا پھر مسکرایا۔

”اس بات پر مجھے تو شبہ نہیں ہے' بس آپ اپنی بیٹی کو سمجھایا کریں کہ اب کسی اور کی بھی فکر کر لیا کریں' اب دیکھیں کتنی دیر ہوگئی مجھے آ کر بیٹھے' مجال ہے جو شوہر سے چائے پانی کا پوچھا ہو۔“

اس کا شکایتی انداز بھی شرارت لیے ہوئے تھا۔ زارا کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت سرخ پڑ گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اماں پیچھے پکار کر اسے چائے بنانے کا کہہ رہی تھیں۔ وہ کچن میں آ کھڑی

ہوئی اور برتن پٹخ پٹخ کر چائے بنانا شروع کی ہی تھی کہ چہرے پر بے حد دل آویز مسکان لیے آ کر کچن کی چوکھٹ سے کاندھا ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اسے دیکھ کر شرارت بھرے انداز میں گنگنایا تھا۔

عید کا دن ہے گلے ہم کو لگا کر ملیے
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

زارا نے زور سے برتن پٹخا اور مڑ کر غصیلی نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ اسے تا دیر دیکھ نہیں سکی۔ میران کی نظروں میں رشتے کا استحقاق اور معنی خیز تبسم کی جھلک تھی۔ اس کی پلکیں لرز کر جھک گئی۔

”ابھی تک خفا ہو؟“

میران چند قدم بڑھ کر اس کے نزدیک ہوا۔ اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔ زارا کو اس کی نظروں کی تپش پگھلانے لگی۔

”میں کیوں خفا ہوں گی' مجھے اس کا حق بھی نہیں ہے۔ احسان کے تاوان میں خریدا ہے نا آپ نے مجھے۔ میری مجبوری کا سودا.....“ میران نے برا مانتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کے بات مکمل نہیں ہونے دی۔

”اتنی بدگمان کیوں ہو مجھ سے زارا؟“

”یہ بدگمانی کس کی بخشی ہوئی ہے' اس پر غور کر لیں تو بہتر ہے۔“ وہ دانستہ تلخ ہوئی۔

”کسی کو آزمائے بغیر الزام لگا دینا تو انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے زارا! اور سب مرد ایک جیسے بھی نہیں ہوتے۔ اک بات اور اس دن میں تم سے مذاق کر رہا تھا' اماں نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ اپنی بیماری سے پہلے ہی اپنے طور پر تمہاری نسبت مجھ سے طے کر چکی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ وہ تمہیں جلد یا بدیر قائل کر لیں گی۔ مجھے اس اچھے اور بھلے وقت کا انتظار تھا مگر اماں اپنی بیماری سے کچھ اس طور گھبرائیں کہ آنا فانا یہ کرنا پڑا۔ جس نے تمہاری بدگمانی کو ہوا دی۔“ وہ وضاحت پیش کر رہا تھا۔ زارا نے گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا پھر روٹھے پن سے بولی تھی۔

”مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے بدگمان ہونے کی۔“

اس جواب نے میران کے چہرے پر پھیکا پن بکھیر دیا۔

”اس کا مطلب تم مجھے اپنا نہیں سمجھتی ہو' بی کوز شکوہ اور شکایتیں بدگمانیاں اپنوں سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔“

”اس کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ مجھے آپ پر بھروسہ ہے' میں آپ کو سمجھ سکتی ہوں' جبھی بدگمانی نہیں پالی۔ اونہہ! بہت جینئس ہیں ویسے محترم!“ اب کے وہ شوخی سے مسکرا کر بولی تھی آخر میں اس کا لہجہ خواہ مخواہ پھر جھنجلا گیا۔ میران پہلے حیران ہوا پھر ششدر اور آخر میں خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوتا اسے کاندھوں سے تھام کر رخ اپنی جانب پھیرتے ہوئے مسکراتی ہوئی نظروں سے تکنے لگا۔

”تم سچ کہہ رہی ہو نا زارا!“ وہ جیسے ہنوز غیر یقینی میں مبتلا تھا۔ زارا نے بے نیازی سے کاندھے جھٹک دیئے۔

”اب آپ کو یقین دلانے کو مجھے کیا کرنا چاہیے' مجھے نہیں پتا اور یہ بے تکلفی کس لیے ہے۔ آپ اگر بھول نہ رہے ہوں تو یہ یاد دلا دوں ابھی آپ کا صرف نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں۔“ اس کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے جھٹکتے ہوئے وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔ مگر میران برا ماننے بغیر زور سے ہنس پڑا تھا۔ بڑی سرشار اور آسودہ قسم کی ہنسی تھی' زارا نا چاہتے ہوئے بھی اسے مسکرا کر تکنے لگی۔

”بہت بہت شکریہ زارا! مجھے لگ رہا ہے آج خدا نے مجھے مکمل کر دیا ہے۔ یہ خوش خبری مجھے تمہیں ابھی تو نہیں بتانی تھی مگر اب بتا رہا ہوں کہ رخصتی کے بعد میں صرف تمہیں یہاں سے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا ماں جی کو بھی لے جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں تمہیں ان کی فکر ہے اور زارا! کبھی یہ مت سمجھنا کہ میں نے تم پر احسان کیا ہے' میں ان کا داماد نہیں بیٹا ہوں اور مائیں اپنے بیٹوں کے گھروں میں بہت مطمئن رہا کرتی ہیں' ہے نا؟“ وہ مسکرا کر اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ جو وہ شدت جذبات کے باعث کرنے سے قاصر تھی اور بھیگی متبسم نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی جو واقعی سائبان بن کر چھایا تھا۔ جو اماں کا انتخاب اور اللہ کا انعام تھا۔ اسے اپنی خوش بختی پر اب ذرہ برابر بھی شبہ نہیں رہا تھا۔

www.aanchal.com.pk
http://onlinemagazinepk.com/